

میر تقی میر (غزل نمبر 1)

مشکل الفاظ و تراکیب کی تفہیم

الفاظ	منہوم
مند جانا	بند ہو جانا
واہونا	گھلنا
نوحہ گری	رونا پینا
غرور	تکبر
داؤد محشر	حشر کے دن انصاف کرنے والا
بے داد گری	ظلم و ستم، نا انصافی
شیشہ گری	شیشہ بنانے کا ہنر
نک	ذرا
جگر سوختہ	جلا ہوا دل، دل جلا
شعار	طریقہ، چلن
شش جہت	چھ اطراف، مراد ہے ساری دنیا۔ چھ اطراف اس طرح بنتی ہیں: دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، اوپر، نیچے
دو چار ہونا	ملاقات ہونا، آنا سا منا ہونا

شعر نمبر 1:

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا
کل اُس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا

تشریح: خدائے سخن میر تقی میر اردو کے شہرہ آفاق غزل گو شاعر تھے۔ غم دوراں اور غم جاناں پر مبنی میر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور حقیقتوں کے عکاس بھی۔

زیر تشریح شعر میں میر کہتے ہیں کہ ”ہر وہ شخص جسے اپنے اختیار اور اقتدار پر غرور ہے، اُسے آخر کار منوں مٹی تلے دفن ہو جانا ہے۔“
اقتدار اور اختیار ایک ایسی شے ہے کہ جسے حاصل ہو جائے عام طور پر وہ اپنے آپ کو دوسری مخلوق سے برتر سمجھنے لگتا ہے۔ عام لوگوں کو حقیر اور گھٹیا سمجھتا ہے اور ظاہری جاہ و جلال کے بل بوتے پر یہ خیال کرتا ہے کہ شاید اُسے ہمیشہ یہاں رہنا ہے اور یہ اقتدار بھی اُس کے پاس ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ وہ دنیا کی یہ بڑی حقیقت بھول جاتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کی طرح اقتدار اور یہ شان و شوکت سب کچھ فانی ہے۔ قرآن میں رب کائنات نے یہ اصول بیان فرمایا ہے:

تلک الایام نداولہا بین الناس ۵ ”یہ دن ہم لوگوں پر بدلتے ہیں۔“
 دن اور حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ہر کمال کو زوال ہوتا ہے۔ ہر شے عارضی اور ناپائیدار ہے۔ ہر شے فانی ہے۔ یہ دنیا چند روزہ ہے۔
 جو اس دنیا میں آیا ہے اسے آخر کار یہاں سے رخصت ہو جانا ہے۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:
 کل نفس ذائقۃ الموت ”ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔“
 چنانچہ موت آتے ہی صاحبِ اقتدار سے عہدہ، شان و شوکت اور اقتدار سب چھن جاتا ہے اور بڑے بڑے بادشاہ خاک میں مل جاتے ہیں۔ آتش کا کہنا ہے:

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
 مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے
 درحقیقت میر تقی میر کا دور مغلیہ سلطنت کے زوال کا دور تھا۔ میر نے اپنی آنکھوں سے کئی بادشاہوں کی حکومتوں کے تختے اُلٹتے دیکھے،
 بادشاہوں کو سولی پر چڑھتے دیکھا اور ان کی آنکھوں میں سلاخیاں پھرتی دیکھیں۔ ایک طرف نیا بادشاہ بادشاہت کا جشن مناتا تھا تو دوسری طرف
 سابقہ بادشاہ کی میت پر نوحہ خوانی ہوتی تھی۔ وہ بادشاہ جو ایک دن پہلے دماغ میں بادشاہت کا غرور رکھتے تھے اگلے ہی دن وہ ماضی کا حصہ بن
 جاتے تھے۔ آتش کا کہنا ہے:

مدفون ہیں اس زمیں میں ہزاروں ہی تاجور
 بچھتا ہے تخت شاہ سر بادشاہ مری پرستم
 ”تاجوری“ دراصل بادشاہت، طاقت، عہدے اور شان و شوکت کی علامت ہے۔ اسی طرح ”نوحہ گری“ بے بسی، بے کسی اور عاجزی
 کی علامت ہے۔ میر تقی میر کا موقف یہ ہے کہ ہر چیز کی طرح بادشاہت عارضی ہے چنانچہ ایک فانی چیز پر غرور و تکبر بے کار چیز ہے۔ غرور کا سر ہمیشہ
 نیچا ہوتا ہے۔ اگر انسان کو کوئی نعمت میسر آتی ہے تو اُسے چاہیے کہ بجائے غرور و تکبر کے اپنے اندر عجز و انکسار پیدا کرے کیوں کہ عہدے اور شان و
 شوکت سب کچھ عارضی ہے۔ انسان کے مرتے ہی سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ جوش ملیح آبادی کا کہنا ہے:

کل تجھ میں بھرا تھا جو غرور آج کدھر ہے؟
 اے کاسہ سر! بول ترا تاج کدھر ہے؟

بقول میر:

اے حبِ جاہ والو! جو آج تاج در ہے
 کل اُس کو دیکھو تم، نے تاج ہے نہ سر ہے

شعر نمبر 2:

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
 اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

تشریح: خدائے سخن میر تقی میر اردو کے شہرہ آفاق غزل گو شاعر تھے۔ غم دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی میر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی
 ہیں اور حقیقتوں کے عکاس بھی۔

زیر تشریح شعر میں میر کہتے ہیں کہ ”دنیا کے مسافر خانے سے کوئی مسافر سلامت نہیں جاتا بلکہ ہر مسافر کا مال و اسباب راستے ہی میں

لٹ جاتا ہے۔“

دنیا ایک مسافر خانہ ہے اور اس مسافر خانے میں انسان کی حیثیت ایک مسافر کی طرح ہے۔ کسی بھی منزل کی جانب سفر سے پہلے انسان زادِ سفر ہمراہ لیتا ہے۔ انسان کو دورانِ سفر اسباب کے لٹنے کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ اس طرح زندگی بھی ایک سفر ہے جسے طے کرنے والا ہر مسافر (انسان) کہیں نہ کہیں ضرور نقصان اٹھاتا ہے۔ دنیا میں جو شخص بھی آیا ہے وہ صحیح سلامت یہاں سے واپس نہیں جاسکا بلکہ لٹنا اُس کا مقدر ہے۔ میر کا کہنا ہے:

مقام خانہ آفاق وہ ہے
کہ جو آیا ہے یاں کچھ کھو گیا ہے

انسان کے لٹنے سے مراد مختلف نوعیت کی پریشانیاں اور تکالیف بھی ہو سکتی ہیں جو انسان کو اس دنیا میں اٹھانا پڑتی ہیں۔ بقول مہاتما بدھ ”ہم سب اپنے اپنے حصے کے دکھ جھیلنے کے لیے اس دنیا میں آتے ہیں۔“ زندگی کے سفر میں انسان بے فکری اور سکون کی دولت سے مالا مال ہو کر قدم رکھتا ہے لیکن دورانِ سفر اسے ایسی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں جس کی وجہ سے وہ سکون، بے فکری، ہوش و حواس اور تاب و توان کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ یعنی انسان کے پاس سکون، بے فکری، ہوش و حواس اور طاقت ایسے اسباب ہیں جو دنیا ہی میں انسان سے چھن جاتے ہیں۔ داغ کا کہنا ہے:

ہوش و حواس و تاب و توان، داغ! جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

مال و اسباب کے لٹنے کا ایک پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو اس کے پاس معصومیت کا زیور ہوتا ہے۔ اس دنیا میں زندگی بسر کرتے ہوئے انسان اس معصومیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ خدا نے دنیا کو کئی پرکشش چیزوں سے مزین اور خوب صورت بنایا ہے۔ یہاں کی رنگینیاں اور رعنائیاں انسان کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان دنیا کی رنگینیوں میں ڈوب کر اپنی فطری معصومیت کھو بیٹھتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ: ”پیدا ہونے والا ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔“ معلوم ہوا کہ انسان دنیا میں آتا تو معصوم ہے لیکن دنیا کی رعنائیوں میں وہ اپنی معصومیت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر دھر لیتا ہے۔ میر درد کا کہنا ہے:

اس جہاں میں آ کے ہم کیا کر چلے
بارِ عصیاں سر پہ اپنے دھر چلے

میر کا موقف ہے کہ دنیا ایک ایسا مسافر خانہ ہے جہاں کسی مسافر (انسان) کا اسباب سلامت نہیں رہ سکتا بلکہ دورانِ سفر ہی لوٹ لیا جاتا ہے۔ درد کا کہنا ہے:

دل زمانے کے ہاتھ سے سالم
کوئی ہوگا کہ رہ گیا ہوگا؟

شعر نمبر 3:

ہر زخمِ جگر داور محشر سے ہمارا
انصاف طلب ہے تیری بے داد گری کا

تشریح: خدائے سخن میر تقی میر اردو کے شہرہ آفاق غزل گو شاعر تھے۔ غم دوراں اور غم جانناں پر مبنی میر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور حقیقتوں کے عکاس بھی۔

زیر تشریح شعر میں میر کہتے ہیں کہ ”ہمارے جگر کا ہرزخم حشر کے مالک (اللہ تعالیٰ) سے تیرے ظلم و ستم کا انصاف مانگے گا۔“
اردو کی کلاسیکی غزل میں محبوب کے ظلم و ستم اور محبت کرنے والوں کے دکھوں اور تکلیفوں کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔ عاشق محبوب پر جان نثار کرتا ہے۔ چاہت، وفاداری اور خلوص سے محبوب کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے برعکس محبوب انتہائی سنگدل، ظالم اور بے وفا ہوتا ہے۔ وہ عاشق پر طرح طرح کے ظلم کرتا ہے۔ محبوب کے ظلم و ستم اور عشق کے دکھ عاشق کا کیچہ چھلنی چھلنی اور اس کا جگر زخمی کرتے رہتے ہیں۔ مگر عاشق تسلیم و رضا کے شیوے سے یہ سارے ظلم برداشت کرتا ہے۔ میر کا کہنا ہے:

جو جو ظلم کیے ہیں تم نے، سو سو ہم نے اٹھائے ہیں
داغ جگر پہ جلائے ہیں، چھاتی پہ جراحت کھائے ہیں

میر محبوب سے مخاطب ہیں کہ ہم تو تمہارے ظلم برداشت کرتے رہے اور ہماری زبان پر کوئی حرف شکایت نہیں آیا۔ لیکن قیامت کے دربار میں ہمارے جگر کے زخم خاموش نہ رہ سکیں گے بلکہ ہمیں لگنے والا ہرزخم ”مالک یوم الدین“ سے انصاف مانگے گا۔ دراصل ظلم کسی بھی نوعیت کا ہونا پسندیدہ ہوتا ہے۔ ظلم کے خلاف پہلا رد عمل تو یہ ہوتا ہے کہ مظلوم خود بدلہ لینے کی خواہش رکھتا ہے اگر وہ کمزور ہو تو معاشرے میں موجود عدل و انصاف کے اداروں سے انصاف کا طلب گار ہوتا ہے اگر وہاں بھی انصاف میسر نہ ہو تو بالآخر یوم حساب کے مالک کی طرف رجوع کرتا ہے اور داورِ روزِ قیامت (خدا) کے سامنے اپنا زخمی کیچہ رکھتا ہے۔ داغ کا کہنا ہے:

داورِ روزِ قیامت دیکھ لے
اس کیچہ پر لگا ہے تیرا عشق

تشریح طلب شعر میں بے داد گر کا تعین نہیں۔ وہ کوئی معاشرتی قوت بھی ہو سکتی ہے اور محبوب بھی۔ کیوں کہ محبت ایک ایسا تجربہ ہے جس کے بارے میں جس کسی نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے یہی کہا ہے کہ یہ آسان کام نہیں ہے۔ ایک مشکل اور مصیبتوں سے بھرا راستہ ہے۔ جہاں محبوب اور معاشرے کے ہاتھوں بہت سے زخم کھانے پڑتے ہیں۔ دنیا میں تو عاشق خاموش ہے لیکن حشر کے میدان میں وہ ان مظالم کی شکایت خدا سے کرے گا اور حشر کے میدان میں عاشق کے شکوے محبوب کے لیے وبالِ جان بن جائیں گے۔ داغ کا کہنا ہے:

بڑا مزہ ہو جو حشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لیے

تشریح طلب شعر میں میر تقی میر کا موقف یہ ہے کہ محبت میں ہمیں جو دکھ ملے وہ لا دواتھے۔ جیتے جی تو ان دکھوں کا مداوا نہیں ہو سکا اب میدانِ حشر میں محبت میں ملنے والا ہرزخم اللہ تعالیٰ سے انصاف مانگ رہا ہے کہ محبوب نے ہمارے ساتھ جو برتاؤ کیا مالکِ یوم حساب ہی وہ حساب چکا سکتا ہے۔ محبوب کو آج ظلم سے باز رہنا چاہیے ورنہ کل روزِ قیامت وہ ظالم خود اللہ سے رحم کی درخواست کرے گا۔ داغ کا کہنا ہے:

کل تمہیں داورِ محشر سے یہ کہنا ہوگا
رحم کر رحم محبت کے گناہ گاروں پر

شعر نمبر 4:

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگاہ شیشہ گری کا

تشریح: خدائے سخن میر تقی میر اردو کے شہرہ آفاق غزل گو شاعر تھے۔ غم دوراں اور غمِ جانناں پر مبنی میر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور حقیقتوں کے عکاس بھی۔

زیر تشریح شعر میں میر کہتے ہیں کہ ”دنیا میں انتہائی احتیاط سے زندگی بسر کرنی چاہیے کیوں کہ دنیا کا کارخانہ شیشہ کے کام کی طرح بہت نازک ہے۔“

مشہور مقولہ ہے ”لمحوں کی خطا صدیوں کی سزا بن جاتی ہے۔“ اس دنیا میں انتہائی احتیاط کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہیے۔ انسان کی معمولی سی غلطی اس کی نیک نامی اور عاقبت خراب کر دیتی ہے۔ لہذا انسان کو دنیا میں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا چاہیے کیوں کہ دنیا میں ہر طرف برائیاں پھیلی ہوئی ہیں اور اس پر فتن جہان میں انسان کو اپنا دامن برائیوں اور غلط راستوں سے بچانا چاہیے۔ ایک صحابی ؓ نے تقویٰ کا مفہوم اس مثال سے سمجھایا کہ راستے کے دائیں بائیں اگر کانٹے ہی کانٹے ہوں تو انسان اس راستے پر اپنے کپڑے اور بدن بچاتا ہوا چلتا ہے۔ یہی حقیقت تقویٰ کی ہے کہ انسان کو دنیا میں ہر طرف پھیلی برائیوں سے دامن بچاتے ہوئے زندگی بسر کرنی چاہیے کیوں کہ دنیا داری کا کام بہت نازک ہے۔ میر کا کہنا ہے:

میر صاحب! زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار

زمانے کی نزاکت کو سمجھانے کے لیے میر نے دنیا کے اس کارخانے کو شیشہ سازی کے کام سے تشبیہ دی ہے۔ شیشے کی مصنوعات بنانے کے کارخانے میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ پرانے زمانے میں جب شیشے کی چیزیں بنائی جاتی تھیں تو پگھلے ہوئے شیشے کو پھونکنی کی مدد سے خاص شکل و صورت دی جاتی تھی اور اس عمل میں انتہائی احتیاط کے ساتھ سانس کا استعمال ہوتا تھا سبب یہ کہ اگر مطلوبہ مقدار سے کم یا زیادہ ہوا پھونکنی کے ذریعے پگھلے ہوئے شیشے تک پہنچتی تو شیشہ یا تو ٹوٹ جاتا یا بد ہیئت ہو جاتا تھا۔ اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ ایک مقررہ حد سے نہ تو نیچے رہنا ہے اور نہ آگے بڑھنا ہے گویا حد اعتدال پر رہنا ہے۔ حد اعتدال اور توازن کا اختیار کرنا ہی عدل و انصاف کہلاتا ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ہوا اعتدال و توازن اختیار کرنے میں ہی اس کی بقا ہے۔ کیوں کہ دنیا کے اس کارخانے کی مثال شیشہ گری کے کام کی طرح ہے۔ انسان کو اپنا ہر قدم احتیاط سے رکھنا چاہیے۔ میر کا کہنا ہے:

ہر دم قدم کو اپنے رکھ احتیاط سے یاں
یہ کارگہ ساری دکان شیشہ گر ہے

انسان کو دنیا میں حقوق العباد اور معاملات میں بھی انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اُس کی ذات سے خلق خدا کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ کیوں کہ انسان معمولی سی غلطی پر اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھتا ہے اور بسا اوقات معمولی سی بے احتیاطی سے انسان کے دیرینہ تعلقات بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ عدم کا کہنا ہے:

سانس لینے سے ٹوٹ جاتے ہیں
دل کے رشتے عجیب ہوتے ہیں

اگر ہم روزمرہ زندگی پر نظر دوڑائیں تو احساس ہوتا ہے کہ ہم افراط و تفریط سے کام لیتے ہیں یا تو کسی چیز کو بالکل اہمیت نہیں دیتے یا اسے اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ باقی چیزوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ زندگی کے بارے میں یہ رویہ درست نہیں ہے۔ کیوں کہ اس طرح کا نقطہ نظر رکھنے والے لوگ جو فیصلہ کرتے ہیں وہ جذباتی نوعیت کا ہوتا ہے اور زندگی جذبات سے نہیں بلکہ عقل و شعور سے ترقی کرتی ہے۔

”شعر میں کائنات کے کام کوشیشہ گری کے کام سے تشبیہ دی گئی ہے۔“

شعر نمبر 5:

لک میر جگر سوختہ کی، جلد خبر لے
کیا یار بھروسہ ہے، چراغِ سحری کا

مفہوم:

میر کی مثال صبح کے چراغ کی طرح ہے جو نامعلوم کب ختم ہو جائے اس لیے جتنی جلد ہو سکے اس کی خیر و عافیت معلوم کر لو۔

☆☆☆☆☆



free ilm.